# مثنوی، مرثیے اور قصیدے میں کرداروں کی اہمیت

## The Importance of Characters in Massnvi, Marsia and Qasida

بادشاہ منیر بخاری / انوار الحق


## Abstract

Characters plays a very important role in explaining the views of a poet .the characters also plays a key role in the dramatic situation of a poem and its literary style. The characters of marsia and qasida are generally historical in nature while the characters of masnavi are usually romantic. The characters of marsias and some qasidas are religious for example the Prophet (PBUH) Hazrat imam Hussain, Hazrat abbas, Hazrat zainab etc are the characters of marsias. The comparison and analysis of these characters can guide us to the new aspects and facts of history and literature .in this article these historical and religious characters have been discussed in their specific historical background.


مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ اردو ادب کی وہ عظیم بزرگ اور دل آویز اصناف ہیں جس نے نہ صرف فنی، فکری لسانیاتی، اسلوبیاتی، تکنیکی، ہیتی اور عروضی حوالوں سے اردو ادب کو صلابت و قار اور اعتماد بخشا بلکہ کئی صدیوں پر محیط ہماری تہذیبی، مذہبی، سیاسی سماجی اور معاشرتی اقدار کو بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا تاہم مذکورہ بالا تینوں اصناف ہائے شعری ہر دور میں اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر قارئین ادب اور صاحب ذوق حضرات کے علاوہ نقادان فن اور محققین کا دامن دل بھی اپنی طرف کھینچا۔ جدید دور میں جہاں نقاد اور محققین نے سائنس اور مختلف سماجی و عمرانی علوم کا رشتہ ادب سے جوڑتے ہوئے نئے تنقیدی زاویے تراش کر اردو میں تنقید و تحقیق کو نئی روایات سے آشنا کیا۔ وہاں ادب میں کرداروں کی اہمیت اور نوعیت پر بھی خامہ فرسائی کی گئی، مقالہ ہذا میں تین قدیم شعری اصناف مثنوی، مرثیہ اور قصیدے میں کرداروں کی اہمیت اور نوعیت پر بحث ہو گی۔

شعری اصناف میں مثنوی کا دامن سب سے زیادہ وسیع ہے اور با اتفاق رائے اردو میں بیانیہ اور ڈرامائی شاعری کی معراج مثنوی کو تسلیم کیا گیا مثنوی میں افسانوی پن اور شعریت دونوں بیک وقت موجود ہیں۔ جہاں تک مثنوی میں کردار نگاری کا تعلق ہے تو غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مثنوی میں کردار نگاری کی ضرورت، اہمیت، نوعیت اور استعمال اسی انداز کا ہے جو ہماری قدیم نثری داستانوں میں پایا جاتا ہے اس حوالے سے عبدالقادر سروری لکھتے ہیں

"اردو مثنویاں موضوع کے اعتبار سے گویا اردو قصہ گوئی کے ابتدائی ابواب ہیں۔"

1　اب جب قصہ گوئی کا وجود آ ہی گیا تو اس کے ساتھ کرداوں کا جنم نا گزیر ہے۔ اس لیے عموماً منظوم داستانوں کا خمیر بھی منثور داستانوں کی طرح محبت مہم جوئی اور سحر و طلسم کے علاوہ مافوق الفطری عناصر سے ہی اٹھتا ہے، تاہم وہاں ماحول و مقامات اور واقعات کے علاوہ کردار بھی مافوق الفطری اور مثالی ہوتے ہیں۔ مثنوی نگاروں نے ضرورت کے مطابق بے شمار کردار تراشے مگر ان میں چار قسم کے کردار واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔

بادشاہوں، وزیروں، امیروں، شہزادوں، نوابوں، سوداگروں، جادوگروں، نجومیوں، لونڈیوں، کنیزوں، بہادروں اور جنگ جوؤں کے کردار جس کی وجہ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے یوں بیان کی ہے

منظوم اور منثور داستانوں کا دور چونکہ عوام کا دور نہیں تھا بل کہ بادشاہوں، امراء اور نوابین کا دور تھا، اس لیے داستان کے کرداروں میں بادشاہوں، وزیروں، شہزادیوں اور شہزادوں کے کردار نظر آتے ہیں۔"

2　داستانوں میں مافوق الفطرت کرداروں کی بھرمار ہوتی ہے جن میں دیوی، دیوتاؤں، جنوں، پریوں، بھوت پریت، جادوگروں، جادوگرنیوں کے کرداروں کے ساتھ قدم قدم پر واسطہ پڑتا ہے جو قاری کے لئے غیر معمولی فرحت و انبساط کا سامان رکھتے ہیں۔ ان کرداروں کی اہمیت و وسعت اور مقبولیت کے بارے میں فرمان فتح پوری فرماتے ہیں

ان عناصر (مافوق الفطرت) کی مقبولیت و وسعت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مذاہبِ عالم کی تمام کتابوں میں ان کا دخل پایا جاتا ہے۔ گیتا پران، انجیل، تورات، قرآن، زبور اور ان سب میں مافوق الفطری قوتیں کام کرتی نظر آئیں گی"

3　مثنوی میں اکثر دانشور جانور اور ناطق پرندے ہوتے ہیں جو قدم قدم پر ہیرو یا مصائب زدہ کرداروں کی مدد کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔ داستانوں میں اس قسم کے کرداروں کی توجیہہ ڈاکٹر سلیم اختر نے یوں کی ہے

مثنوی میں ناطق پرندے اور دانشور جانور ملتے ہیں اس کا سبب قطعی طور پر بتانا تو ممکن نہیں تاہم یہ توجیہہ قرین قیاس ہے کہ عہد عتیق کا انسان فطرت کے ان متنوع مظاہر اور جنگل کے باسیوں سے جذباتی رابطہ رکھتے ہوئے شجر و حجر اور چرند پرند سبھی کو انسانی کردار سے متصف سمجھتا تھا۔"

4　مثنوی کے کرداروں میں غیر معمولی مثالیت پائی جاتی ہے چونکہ خارقِ عادت اور مافوق الفطرت عناصر کے باعث وہاں زندہ کردار کی تخلیق کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ کرداروں کی اس مثالیت کے حوالے سے فرمان فتح پوری فرماتے ہیں

جو نیک ہے وہ نیکیوں کی ان سب خصوصیات کا حامل ہے جو انسان کے تصور میں آسکتی ہیں جو بد ہے وہ بدی کا ایسا مجسمہ ہے کہ شیطان بھی اس سے پناہ مانگتا ہے۔"

5 جدید سائنسی ذہن ان کرداروں کے وجود کا یکسر انکار کرے یا بعض ظاہر بین محض اسے ذہنی عیاشی کا نام دیں لیکن اگر عالمی ادب پر گہری اور وسیع نظر دوڑائی جائے تو یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ تمام ادب العالیہ اور کلاسیکی شاہکار فوق الفطری کرداروں سے بھرے پڑے ہیں۔ البتہ ایک بات قابل ذکر ہے کہ مثنوی کے کردار جتنے بھی مافوق الفطرت، اساطیری اور مثالی ہو جائیں ان میں انسانی احساسات و جذبات کی جھلکیاں ضرور دکھائی دیتی ہیں بقول فرمان فتح پوری

مثنویوں میں مافوق الفطرت عناصر کا استعمال صناعانہ چابک دستی سے کیا جاتا ہے کردار جن ہو یا بھوت، دیو ہو یا پری اصلاً اور احساساً انسان ہوتے ہیں"

6 مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مثنوی میں کردار نگاری کا وہ انداز نہیں جو ناول، افسانے اور ڈرامے میں ہوتا ہے، جس کی ایک بڑی خوبصورت منطقی وجہ گیان چند نے یوں بیان فرمائی ہے۔

اُن (مثنویوں) کے مصنف قصہ گوئی اور کردار نگاری سے زیادہ شاعری پر توجہ دیتے ہیں

7 دکن سے ہمارے ادب کا بھرپور آغاز ہوتا ہے اور دکنی ادب کا بیشتر حصہ مثنویاں ہیں۔ جن میں مذہبی، عشقیہ، صوفیانہ، رزمیہ غرض ہر قسم کی مثنویاں ہیں جن میں پھول بن از ابن نشاطی، "طوطی نامہ"، سیف الملوک، بدیع الجمال از نصرتی، بہرام و گل اندام از طبعی، علی نامہ، گلشنِ عشق از نصرتی"، قطب مشتری از وجہی وغیرہ اہم اور معروف مثنویاں ہیں، لیکن ان تمام مثنویوں میں کردار نگاری ابتدائی درجے کی ہے جن میں بادشاہوں، شہزادوں، شہزادیوں، وزیروں اور عام انسانوں کے علاوہ جن، دیوی، پری اور مافوق الفطرت کرداروں کی بھرمار ہے لیکن سراج کی "بوستانِ خیال" میں کردار نگاری کا واضح شعور پایا جاتا ہے البتہ کردار نگاری کے حوالے سے نسبتاً بہترین مثنوی میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" ہے بقول محمد حسین آزاد

زمانے نے اس کی سحر البیانی پر تمام شعرا اور تذکرہ نویسوں سے محضرِ شہادت لکھوایا

8 مذکورہ مثنوی کے دیگر فنی و فکری محاسن کے علاوہ نقادوں نے اس کے حسنِ کردار نگاری کو غیر معمولی داد دی، بقول عبدالقادر سروری

کردار نگاری میں میر حسن نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا جو پہلا اور منظوم قصوں کی حد تک آخری قدم تھا۔"

9 مثنوی ہذا میں سینکڑوں کردار ہیں مگر نجم النساء کی سیرت کشی میں میر حسن نے زبردست فنی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ بقول سید عابد علی عابد

نجم النساء کی تخلیق میں میر حسن نے اپنی ساری صنعت گری صرف کر دی ہے۔

10 البتہ گلزارِ نسیم میں کردار نگاری اختصار کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد عاشقانہ اور مذہبی مثنویوں میں ہر چند کردار ٹائپ اور مافوق الفطرت ہیں مگر ان کے بعض کردار حقیقی اور واقعات سچے ہیں۔ معروف مثنوی "زہر عشق" کے بارے میں سلیم اختر فرماتے ہیں

مرزا شوق کے پوتے احسن لکھنوی کے مطابق یہ واقعہ سچا ہے یعنی یہ شوق کے برادرِ نسبتی مرزا عباس اور ایک شادی شدہ عورت ستارہ کی ناکام محبت کا المیہ ہے۔"

11 یوں اگر اردو کی معروف ترین مثنویوں کو دیکھا جائے تو نظامی کے "کدم راو پدم راو" نصرتی کے "علی نامہ" رستمی کے "خاور نامہ" شوقی کے "ظفر نامہ"، میر کے "دریائے عشق" مصحفی کے "بحر المحبت" مومن کے "قول غمیں" سے داغ کے فریاد داغ تک تمام مثنویوں میں متعدد کردار پوری توانائی کے ساتھ موجود ہیں۔ لہٰذا درج بالا بحث سے مثنوی میں کردار نگاری کی غیر معمولی اہمیت اور نوعیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مثنوی کے علاوہ مرثیے میں بھی کرداروں کی غیر معمولی ضرورت اور اہمیت مسلم ہے۔

بقول صاحبِ فرہنگِ آصفیہ

مرثیہ۔ع۔ اسم مذکر از (رثیٰ، بمعنی درد ورحم

۱۔ مُردے کا وہ بیان جس سے رحم اور درد پیدا ہو۔۔ اوصافِ مردہ۔ میت کی صفت

۲۔ ماتم۔ سیاپا رونا پیٹنا

۳۔ وہ نظم یا اشعار جن میں کسی شخص کی وفات یا شہادت کا حال اور اس کے رنج و غم کا بیان درج ہو، مجازاً وہ اشعار جن میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت، اہلِ بیت کی مصیبت، کربلا کے واقعات اور حادثات کا غم انگیز بیان کیا جائے۔"

12 بقول صاحبِ فیروز اللغات

نظم جس میں مردے کے صفات بیان کئے گئے ہوں۔ وہ نظم جس میں شہدائے کربلا کے مصائب اور شہادت کا ذکر ہو۔"

13 درج بالا تعریفوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مرثیہ میں کردار نگاری کی کتنی اہمیت ہے! بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مرثیہ تو کسی کردار کے لئے ہی لکھا جاتا ہے یا مرثیہ کے قصرِ عظیم کا خشتِ اول کوئی "کردار" ہی ہوتا ہے تو غلط نہ ہوگا کیوں کہ پروفیسر عابد علی عابد نے ایرانی عالم زین العابدین کے حوالے سے مرثیوں کی تین بڑی اقسام کی نشاندہی یوں کی ہے

۱ رثائے رسمی و تشریفاتی: وہ مرثیہ جس میں قوم کے اکابر کی موت پر افسوس کیا گیا ہو۔

۲ رثائے شخصی و خانوادگی: وہ مراثی جس میں کسی رشتہ دار کی موت پر افسوس کا اظہار ہو۔

۳ رثائے مذہبی: جس میں پیشوایانِ دین (خصوصاً آئمہ اطہار کے ساتھ مخصوص ہے) شہدائے کربلا کے مصائب و شہادت کا بیان ہو۔"

14 ان تینوں اقسام میں ہر قسم کے مرثیے کا ڈھانچہ خاص کرداروں پر ہی کھڑا نظر آتا ہے، اب یہ الگ بات ہے کہ آخر الذکر (تیسری قسم رثائے مذہبی) جس کے ساتھ اردو مرثیہ مخصوص سا ہو گیا ہے۔ لیکن اگر اس مرثیہ کو غور سے دیکھا جائے تو مجموعی طور پر وہ قافلہ حسینی میں موجود ۷۲ شہداء اور لشکر یزید کے کرداروں کے گرد ہی گھومتا ہے۔ جس میں کردار عموماً بلکہ ہمیشہ ٹائپ اور مثالی ہوتے ہیں۔ بقول سید عابد علی عابد

مرثیے میں بھی مختلف کردار ہوتے ہیں جو اکثر ٹائپ ہوتے ہیں یعنی رفتارِ زماں کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ ایک شاندار المیہ کے افراد ہیں۔ خیر کے نمائندے ہیں اور شر سے برسرِ پیکار ہیں۔"

15 البتہ کلیم الدین احمد مرثیہ نگاروں سے ان الفاظ میں شکوہ سرا نظر آتے ہیں

سیرت نگاری تو اردو شعراء میں سراسر مفقود ہے انیس کے مراثی میں بھی ان کا وجود نہیں۔ وہ ہر فرد کی شخصیت الگ الگ واضح نہیں کرتے، سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

16 کلیم صاحب کا شکوہ بجا لیکن مرثیوں کے کردار ٹائپ یا مثالی ہی کیوں ہوتے ہیں اس کا آسان اور خوبصورت جواب مسیح الزماں نے یوں دیا ہے

شروع سے آخر تک وہ اپنی خصوصیات کی نمائندگی کرتے رہتے ہیں اور پڑھنے والے کے دماغوں پر چڑھ جاتے ہیں، ان کی خصوصیتیں، اچھائیاں، برائیاں، شرافت، رذالت وغیرہ تاریخ اور عقائد نے ایک حد تک پہلے سے مقرر کر دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک مرثیہ گویوں کے ہاں جس قسم کے کرداروں کا ذکر ہے، وہ فلیٹ کردار ہیں۔"

17　مرثیے کے کردار ٹائپ یا مثالی کرداروں کے بہترین نمونے ہیں، وہ خود مٹ جاتے ہیں مگر اپنے اصولوں، وضع داری اور حق پر آنچ نہیں آنے دیتے، مسیح الزمان فرماتے ہیں

انیس کے کردار نیزہ و شمشیر سے لہولہان انسانی قدروں کی حمایت میں ہنس ہنس کر جان دیتے ہیں اور ذاتی مفاد سے بے نیاز زندگی کے دھارے کو پلٹنے، فسق و فجور یا استعمار و دولت پرستی کا پردہ فاش کرنے کے لئے اپنے آپ کو مٹا دیتے ہیں۔"

18　مرثیے کے کرداروں کے لئے ناول، افسانے اور ڈرامے کے کرداروں کی طرح راستہ کھلا نہیں ہوتا کیوں کہ مذکورہ دیگر اصناف کی مانند مرثیے میں کردار کا تخلیقی خدا مرثیہ نگار نہیں ہوتا بلکہ تاریخ تذکروں، شہادت ناموں، مذہب اور عقائد نے پہلے دن سے اس کا مکمل تعین کیا ہوتا ہے۔ مرزا محمد رفیع سودا کے بقول

لازم ہے کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے نہ برائے گریہ عوام اپنے تئیں ماخوذ کرے۔"

19　اس لیے امام حسینؓ اور اس کی جماعت کا بچہ بچہ جرات و بیباکی، عزم و استقلال، قربانی، خیر کا پیکر جب کہ گروہ مخالف ظلم ،لالچ، خونخواری، برائی اور شر کا مجسمہ نظر آتا ہے اور اُن کی ان خصوصیات کا تعین مرثیہ نگاروں نے خود نہیں بلکہ تاریخ اور عقائد نے کیا ہے لیکن اردو مرثیہ نگاروں کا کمال یہ ہے کہ سادہ یا فلیٹ کرداروں میں بھی ایک تیسری سمت اُنھوں نے یہ پیدا کر دی کہ وہ ٹائپ یا فلیٹ ہونے کے باوجود بھی انتہائی حد تک عملی زندگی، انسانی خصائل اور نفسیاتی و جذباتی پیچیدگیوں سے معمور ہوتے ہیں اور یہ خصوصیت میر انیس کے ہاں اتنی بھرپور انداز میں پائی جاتی ہے کہ کلیم الدین احمد جیسے جارح نقاد بھی ان کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں

وہ سارے انسانی کوائف کو ابھارنے کی قدرت رکھتے ہیں، غصہ، نفرت، حقارت، جوشِ شجاعت ولولہء جوانی، شرم، حیا، غیرت، غرض ہر جذبے پر ان کا تصرف ہے اور ان چیزوں کو سلاستِ زباں متانتِ و سنجیدگی، چست بندش، درد واثر، رنگینی و چمک اور شگفتگی و روانی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔"

20　بہر حال مرثیہ رسمی و تشریفاتی ہو، یا شخصی اور مذہبی ہو، اس کے لیے کردار کا وجود بے پناہ اہمیت کا حامل ہے، البتہ یہ الگ بات کہ مرثیہ نگار کس حد تک مرثیے میں کردار نگاری کا حق ادا کرتا ہے۔

مثنوی اور مرثیے کی مانند قصیدے کے لیے بھی کسی ایک خاص "کردار "کا وجود لازمی ہے اور مرثیے کی طرح اس کی تعریف ہی کے اندر کردار کا وجود پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ کلیم الدین احمد کی دو تعریفیں اور حالی کا ایک بیان اس ضمن میں پیش کیا جاتا ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ قصیدہ کی غرض و غایت کسی کی تعریف ہوتی ہے اور وہ بھی نہایت مبالغہ آمیز، کسی بادشاہ یا امیر کی تحسین مدِ نظر ہوتی ہے۔"

21　　یا آگے لکھتے ہیں

قصیدے میں" شاعر قصداً کسی بادشاہ کی تعریف، کسی بزرگ کی مدح پر کمرِ ہمت کستا ہے۔"

22　　جب کہ حالی فرماتے ہیں

متوکل باللہ نے ایک شاعر سے پوچھا، تم کس حد تک لوگوں کے ہجو کے درپے رہتے ہو؟ اور کب ان کی مدح وستائش کرتے ہو؟ اس نے کہا! ما اساءُ واحسنوا! جب تک ان سے نیکی اور بدی سرزد ہوتی ہے۔"

23　　درج بالا تین تعریفوں میں پہلی دو تعریفوں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ قصیدہ نگاری کا اولین مقصد کسی بادشاہ، امیر، وزیر، نواب یا کسی مذہبی پیشوا یا بزرگ وغیرہ کے کردار کے اہم پہلو سخاوت، شجاعت، جاہ و جلال، مسافر نوازی، سخن پروری، عدل و انصاف، بزرگی، مذہبی تقدس وغیرہ کا بیان اور ان کی مدح وستائش کرنا ہوتا ہے اور ان کی یہ تمام خوبیاں لوگوں پر واضح کرنی ہوتی ہیں یعنی وہ اپنے قصیدے کا ڈھانچہ کسی ایسے کردار پر کھڑا کرتا ہے جو بادشاہ، وزیر، نواب یا کوئی اعلیٰ کردار یا کوئی مذہبی پیشوا یا بزرگ کردار ہوتا ہے۔

تیسری تعریف سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر معاشرے کے تمام کرداروں میں کسی ایسے کردار کی تلاش میں ہوتا ہے جن کے کچھ خاص اعمال (اچھے یا برے) انھیں عام کرداروں سے بلند کرتے ہیں۔ اگر ان سے اچھے اعمال سرزد ہوں تو ان کی مدح وستائش میں قصیدہ لکھتا ہے اور اگر برے اعمال سرزد ہوں تو ان کی مذمت میں ہجو کہتا ہے۔

بہر حال گزشتہ تمام بحث سے مجموعی تاثر یہ بنتا ہے کہ قصیدہ ایک خاص کردار کے لئے ہی لکھا جاتا ہے۔ اردو اور فارسی کے اعلیٰ پایہ قصیدوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعرا نے ممدوحین کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں۔ بقول کلیم الدین احمد

ممدوحین کی سخاوت، جس کے بارِ احسان سے روئے زمین اور پشتِ فلک حیراں، جس کی فراوانی سے سحابِ نیساں شرمندہ، اس کا حلم جس کے بوجھ سے مرکزِ خاکی کو دھمک اور گاؤ زمین کو صدمہ پہنچے۔۔اس کی جرات اس کے دست و بازومیں ایسی طاقت کہ ذراسے جھٹکے میں کمرِ دائرہ خاک میں لچک پیدا ہو اور کوہ و جبل اپنی جگہوں سے اچھل پڑے ں، مبالغہ کی انتہا ہے۔"

24 لہٰذا قصیدے کے (ممدوح) کردار میں بھی غیر معمولی مثالیت اور مافوق الفطری پن پایا جاتا ہے۔اسی انداز پہ جس کردار کی ہجو کی جاتی ہے، اس سے بھی قاری کی روح کانپ اُٹھتی ہے ہجو نگاری میں سوداضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔بقول محمد حسین آزاد

اُنھوں نے میر ضاحک، فدوی، مولوی نُدرت، میر، مولوی ساجد، حکیم مرزافیضو، میاں فوقی اور کوتوال شیدی فولاد خان وغیرہ کے کرداروں کو طنز کے تیروں کا نشانہ بنایا۔"

25 یوں قصیدہ مدحیہ ہو یا ہجویہ اس میں کردار کا وجود لازمی ہے۔ گویا کردار پورے قصیدے کے اندر ایک سیمابی کیفیت کے ساتھ رواں دواں نظر آتا ہے لیکن یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ قصیدے میں بھی مرثیے کی طرح کرداروں کو صرف بیان کیا جاتا ہے اور کردار نگاری اور بیان نگاری میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے قصیدے میں ناول، افسانے اور ڈرامے کے کرداروں جیسی کردار نگاری کی توقع ایک طفلانہ خواہش ہے لیکن اگر کردار نگاری کو جدید تنقیدی پیمانوں پر ماپا جائے تو کردار اپنے کلیدی حوالوں میں ہمہ جہت زاویوں پر مبنی تعریف کا حامل ایک ایسالفظ بلکہ اصطلاح ہے جس میں انسان کے ظاہر و باطن سے لے کر سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے علاوہ تمام تر رویوں کا عمیق جائزہ اس انداز میں شامل ہے جس میں فرد یا کردار کی شخصیت کے دائرے میں ان کے تمام تر ذاتی اوصاف اور کرداری خوبیاں آجاتی ہیں اور ایک کردار اپنے تمام ذاتی اوصاف کی بناپر دوسرے کرداروں سے اعلیٰ یا ادنیٰ، خوب تر یا بدتر، بہادر یا ڈرپوک، کم فہم یا ذود فہم علی ہذاالقیاس اپنے منفی یا مثبت تشخص میں بٹ کر قارئین کے سامنے آتا ہے اور پھر قارئین اسے اچھے یا برے کرداروں کے مخصوص متعین خانوں میں رکھتے ہیں لیکن گزشتہ تمام بحث سے مجموعی طور پر جو تاثر اُبھرتا ہے تو یہ بات قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ مذکور شدہ تینوں اصناف (مثنوی، مرثیہ اور قصیدہ) کا سارا منظر نامہ نہ صرف مختلف کرداروں کے توسط سے ہی رنگ پکڑتا ہے بلکہ ان ہی کرداروں کی بوقلمونیوں اور نیرنگیوں کے سبب ایک مخصوص حد تک بامعنی بھی ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ عبدالقادر سروری، اُردو مثنوی کا ارتقاء۔ کراچی صفیہ اکیڈمی بار اول ۱۹۶۶ ص ۷

۲۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان ۱۹۸۵ء ص ۷۷

۳۔ فرمان فتح پوری، اُردو نثر کا فنی ارتقاء کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ بار اول ۱۹۸۹ ص، ۸۸

۴۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشن لاہور۔ ۲۰۰۰ء ص، ۲۸۹

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ ص ۹۸

۶۔ فرمان فتح پوری، اُردو نثر کا فنی ارتقاء کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ بار اول ۱۹۸۹ ص ۹۱

۷۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اُردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد اول، طبع دوم دلی، انجمن ترقی اُردو ۱۹۸۷ ص، ۱۰۴

۸۔ محمد حسین آزاد، آب حیات، لاہور ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، تاجران کتب بار ہفت دہم ۱۹۵۷ ص ۲۵۰

۹۔ عبدالقادر سروری، اُردو مثنوی کا ارتقاء ص ۳۵

۱۰۔ سید عابد علی عابد، سید، اصول انتقاد ادبیات، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۶ء ص ۳۹۷

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ۲۰۰۰ء ص ۱۹۶

۱۲۔ سید احمد دہلوی، بحوالہ: سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ۲۰۰۰ء ص ۳۵۳

۱۳۔ الحاج مولوی فیروزالدین، مرتبہ فیروز اللغات، س۔ن ص، ۱۲۲۵

۱۴۔ عابد علی عابد، سید، اصول انتقاد، ادبیات، ص ۵۵۱

۱۵۔ عابد علی عابد، سید، اصول انتقاد، ادبیات ص ۵۵۱

۱۶۔ کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر، اسلام آباد، نیشنل بک فاونڈیشن بار اول ۱۹۸۳ ص ۳۷۱

۱۷۔ مسیح الزمان، اُردو مرثیے کا ارتقاء (ابتداء سے انیس تک) لکھنو، اُتر پردیش اردو اکادمی بار دوم ۱۹۹۲ ص ۳۲۳

۱۸۔ مسیح الزمان، اُردو مرثیے کا ارتقاء (ابتداء سے انیس تک) لکھنو، اُتر پردیش اردو اکادمی بار دوم ۱۹۹۲ ص ۳۳۸

۱۹۔ سودا، مرزا محمد رفیع، بحوالہ، ڈاکٹر شارب ردولوی، اُردو مرثیہ، دہلی اردو اکادمی ۲۰۰۱ ص، ۱۰

۲۰۔ کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد ۱۹۸۳ء ص ۳۸۲

۲۱۔ کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر، ص ۳۷۱

۲۲۔ کلیم الدین احمد، اردو شاعری پر ایک نظر، ص ۲۱۷

۲۳۔ حالی! خواجہ الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، لاہور، پاپولر پبلشنگ ۱۹۸۴ ص ۱۸۰

۲۴۔ کلیم الدین احمد، اُردو شاعری پر ایک نظر، ص، ۲۳۴

۲۵۔ محمد حسین آزاد، آب حیات، ص، ۲۴۶